مدرسۂ سلطانیہ کے منتظم و مدرس اعلیٰ

آیۃ اللہ العظمیٰ ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ

فاضل نبیل مولانا چودھری سید سبط محمد نقوی صاحب طاب ثراہ

آپ کی ولادت باسعادت جناب غفرآں مآب علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے آخری سال میں ہوئی ۱۲۳۴ھ تھا۔ مہینے کے بارے میں اختلاف ہے ۔بعض اہل قلم جمادی الاول کہتے ہیں۔بعض دوسرے جمادی الثانی حیات فردوس مکان،ص/ ۸ پر مولوی سید احمد صاحب علامہ ہندی، جمادی الثانی تحریر کرتے ہیں۔ان کے مختار کو مستند سمجھنا چاہیے۔ تاریخ ۱۶رتھی اس پر اتفاق ہے۔

تعلیم کی تکمیل اپنے پدر بزرگوار سید العلماء و عم نامدار سلطان العلماء طاب ثراہما سے کی۔ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں صاحب تذکرہ بے بہا کا جناب مولوی سید علی صاحب بھیک پوری کے حالات میں کہنا ہے کہ:-

جناب علیین مکان نے اپنے صاحبزادگان یعنی جناب ممتاز العلماء و جناب زبدۃ العلماء کی تعلیم آپ سے متعلق فرمادی۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

(ص ۲۱۸)

جناب ممتاز العلماء کے حالات میں پھر فرماتے ہیں کہ:-

تحفۃ الابرار میں ہے کہ ابتدائی کتب آپ نے مولوی سیّد علی صاحب بھیک پوری سے پڑھیں اور معتبرین سے سنا ہے کہ آپ کو جناب مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ محمد آبادی اور جناب مفتی صاحب قبلہ سے بھی تلمذ تھا۔'' (ص ۹۷)

حیات فردوس مکان میں علّامۂ ہندی مغفور کا ادّعا ہے کہ ''اپنے پدر بزرگوار سید العلماء اور عمّ نامدار حضرت سلطان العلماء سے تحصیل و تکمیل علم فرمائی اور کسی کے سامنے کبھی زانوئے ادب آپ نے تہہ نہیں کیا اور کیوں کر ایسا ہوتا درآں حالیکہ بعد اپنے ان دو بزرگوں کے وہ جناب رئیس ملّتِ و حامی شریعت تھے اور تلامذۂ آباء کرام خود مستفیض خدمت بابرکت میں رہتے تھے۔۔۔۔'' تحفۃ الابرار تک میری رسائی نہ ہوسکی اور نہ اس کے فاضل مصنف کی ثقاہت کی نسبت کچھ علم ہوسکا اس لیئے ان کی روایت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ممکن نہیں ہے۔لیکن جہاں تک علّامۂ محمد آبادی اور مفتی علّامہ سے تلمذ کا سوال ہے یہ روایت محض بعض معتبرین، کے بیان پر مبنی ہے۔مرزا عزیز مرحوم نے تجلیات میں مفتی علّامہ کے تلامذۂ کرام کا ذکر دو طرح سے کیا ہے۔

باب التلامذہ، کی سرخی کے تحت نامور تلامذہ کے تفصیلی حالات دیئے ہیں اور آخر میں ایک ذیلی عنوان قائم کیا ہے۔ ''تلامذہ کے کثیر التعداد فہرست میں یہ اسماء بھی شامل ہیں'' باب التلامذہ میں جناب ممتاز العلماء کا ذکر نہیں ہے۔

درآنحالیکہ اس دودمانِ فضیلت نشان کے متعدد علماء وافاضل کا نام ملتا ہے۔مثلاً جناب تاج العلماء مولانا علی محمد صاحب، بحرالعلوم جناب علن صاحب، مصنف سید علی اکبر صاحب۔ اس ذیل میں جناب ممتاز العلماء کا اسم گرامی نہیں ہے۔البتہ دوسرے عنوان میں مولانا سید محمد تقی صاحب کا نام ملتا ہے تجلیات، میں مصنف مرحوم نے مدح سرائی کا جو رنگ و آہنگ اختیار کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مولانا محمد تقی صاحب، ممتاز العلماء ہوں گے۔جناب کو مفتی صاحب سے تلمذ ہوتا تو ان کا ذکر بھی اسی طرح ہوتا جس طرح دوسرے اراکین خاندان اجتہاد کا کیا گیا ہے بہر کیف اب اتنی مدت گذر جانے پر نہ اس مسئلے کی تنقیح آسان ہے اور نہ اس کی کوئی خاص ضرورت ہے۔

صاحب تجلیات نے جس طرح جناب سید العلماء کی حضوری میں دونوں حضرات یعنی جناب ممتاز العلماء اور جناب مفتی صاحب کے رہنے کا ذکر کیا ہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حضرات برابری کے ساتھ سرانجام امور میں جناب سید العلماء کی معاونت کرتے تھے۔اسے تو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ معقولات و منقولات کی تکمیل اپنے والد بزرگوار وعمّ نامدار سے کی۔اور اس سلسلے کے ۲۸ر سال کی عمر تک چلنے کے آثار ہیں کیونکہ سلطان العلماء اور سید العلماء کی جناب سے ممتاز العلماء کو ۱۲۶۲ھ میں اجتہاد کا اجازہ حاصل ہوا۔رضوان مآب نے ۱۸ر ربیع الاوّل کو اور علیین مکان نے ۲ر جمادی الثانی کو اجازہ دیا اور اس وقت جناب ممتاز العلماء کا سن شریف ۲۸ سال کا تھا۔آپ کو صاحب جواھر الکلام رحمہ اللہ سے بھی اجازہ تھا مگر اس کی تاریخ معلوم نہیں۔

تحریر اجازہ کی نوبت تو بلاشبہ ۱۲۶۲ھ میں آئی لیکن اس سے برسوں قبل آپ کی جلالت علمی ایسی ہوگئی تھی کہ ۱۲۵۹ھ میں جب مدرسۂ سلطانیہ کے اساتذۂ کرام کے تقرر کا وقت آیا تو افسر مدرسی کے لیئے آپ ہی پر نظر انتخاب پڑی اور ممتاز العلماء فخر المدرسین کے شاہی خطابات کے ساتھ آپ اس منصب بلند پر متمکن ہوئے۔درآں حالیکہ صف اساتذہ میں علامہ احمد علی محمد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی جلیل المرتبت شخصیت شامل تھی جو تلامذۂ جناب غفران مآب نور اللہ مرقدہ میں نہایت نمایاں حیثیت کے مالک تھے اور بڑی نگاہ قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔

بلاشبہ ممتاز العلماء کی ذات گرامی نہ صرف اپنے بنی اعمام میں بلکہ تمام امثال و اقران میں ممتاز تھی۔اس حقیقت کی نشاندہی آپ کے مرثیے میں مفتی علّامۂ اعلی اللہ مقامہٗ کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

فَقِيْهٌ　نَبِيْهٌ　وَجِيْهٌ　وَحِيْدٌ
شد ایں خانداں را بروا ختتام

یہ ایک ایسی حقیقت ثابت ہے جس کی تصدیق میں سب ہی متفق اللہجہ ہیں۔چنانچہ صاحب "تذکرہ بے بہا" رقم طراز ہیں:

''تذکرۃ العلماء میں ہے کہ جناب فضائل مآب علّامۂ فہامی فقیہ المعی ممتاز العلماء فخر المدرسین جناب سید محمد تقی اوسط اولاد جناب علیین مکان اور سب سے ارشد و اعلم

واتقی وافقہ واورع واکمل ہیں۔اور مراتب فضل وکمال و مدارج فقہ واجتہاد بحر علوم معقول ومنقول وفنون فروع و اصول ہیں باوصف حداثت سن کے امثال واقران میں سب سے زیادہ ہیں۔

(۹۸)

مفتی علّامہ اوراق الذھب میں اس حقیقت کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اَکْبَرُهُمْ فِی الْهُدٰی وَالسِّدَادَ وَاَبْرَعُهُمْ بِالْفِقْهِ وَالْاِجْتِهَادِ وَ ذَوِی الْفِکْرِ الْمَتِیْنِ وَالرَّایِ الرَّزِیْنِ فَخْرُالْفُضَلَاءِ وَالْمُدَرِّسِیْنَ التَقِیُّ الْمُتقِیُّ السیّد محمد تقی اَعلَی اللّٰہُ قَدْرَہٗ وَ نَوَّرَ بَدْرَہٗ اَحْدَثُ مِنِّی سِنًا وَاَقْدَمُ فَضَلاً مِنَّا''

ہدایت وحقانیت میں ان سب سے بڑے فقہ واجتہاد میں کامل تر صاحب فکر متین و مالک رائے صائب فخر الفضلاء والمدرسین التقی المتقی سید محمد تقی، خداوند عالم ان کی قدر و منزلت کو بلند کرے اور ان کے بدر کمال کو اور نور افشاں کرے، وہ سن میں تو مجھ سے چھوٹے مگر باعتبار فضل وکمال ہم سے آگے ہیں۔

صاحب تذکرۂ بے بہا، جناب تقدس پناہ سیّد ابّو صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

''آپ فقہ واصول میں علمائے عراق سے کم نہ تھے۔''

جناب کو شروع سے ہی تحصیل علم کی طرف غیر معمولی رغبت اور توجہ رہی بتقضائے عمر بھی آپ کو لہو ولعب یا تفریح وغیرہ کا شوق نہ تھا۔ آپ کے والد ماجد جناب سیّد العلماء نے درگاہِ احدیت میں دعا کی تھی کہ آپ کو اسمِ بامسمیٰ بنائے۔ یہ دعا شرف بقبولیت ہوئی۔ اس واقعہ کو مفتی علّامہ طیّب اللہ رمسہٗ نے بڑے پر لطف طریقے سے نظم فرمایا:-

دعا کردہ در حق او والدش
کہ یارب تقیش بکن مثل نام
بدرگاہ حق شد دعا مستجاب
کہ گردید در علم و تقویٰ تمام

دوسرا شعر اس حقیقت کا بھی ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ علم کے مانند زہد وتقویٰ میں کامل تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ مدرسۂ سلطانیہ کی افسری کے لیئے آپ کی ذات منبع صفات کا انتخاب ہوا اور آپ کی سربراہی میں اس کاروان دین ودانش کو بخوبی متحرک رکھنے کے لیئے اعاظم روزگار علماء وفضلا کو جمع کیا گیا تھا۔

مدرسہ سلطانیہ تو انتزاع اودھ کے ساتھ ہی معطل ہو گیا تھا۔اس وقت تک جناب سلطان العلماء دونوں حیات تھے اس لیئے، مدرسہ کی نسبت تو جناب ممتاز العلماء کے کارنامے روشنی میں نہیں آسکے۔لیکن برطانوی عہد میں تجدید نشر معارف کے سلسلے میں آپ کے مساعی جمیلہ یادگار ہیں۔ جب مدرسہ سلطانیہ کے تعطل سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے کے لیئے مدرسۂ ایمانیہ کی بنا جناب ابو صاحب قبلہ آپ کے خویش نے فرمائی تو اس کے لئے سرمایہ فراہم کرنے میں آپ نے اپنے زبردست اثرات صرف فرمائے اور جناب مرحوم کو یہ مشورہ دیا کہ اس امر خیر میں مولانا غلام حسنین علامہٗ کنتوری اعلی اللہ مقامہ کو شریک کار کریں۔خود آپ نے بھی اپنی بزم درس آراستہ

کی اور تشنگان علوم و معارف اہلبیت علیہم السلام کی سیرابی کا سیر حاصل انتظام فرمایا۔ جہاں تک علم ہو سکا ہے ہندوستان میں درس خارج کی ابتدا کا اعزاز بھی آپ ہی کو ہے۔

علّامہ کنتوری کے خلف الصدق مولانا سید تصدق حسین صاحب کے حالات میں **نور العین ترجمۂ ابصار العین فی انصار الحسین** علیہ السلام کے ناشر کا کہنا ہے کہ:

''۔۔۔۔اسی زمانے میں حیات ممتاز العلماء سید تقی صاحب۔۔۔۔کے یہاں **شرح کبیر و مسالک** کا درس بطور درس خارجی ہوتا تھا اس میں بھی آپ شریک ہوتے تھے۔''

مفتی علامہ ان خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

از و درس رائج بس از اندراس
بہ مسجد ازو مجمع خاص و عام

اور یہ دلچسپی بہت متنوع و ہمہ گیر تھی۔ جناب کو کتابوں کے جمع کرنے سے بہت دلچسپی تھی۔ آخر میں اس ذخیرہ نے ایک شاندار کتب خانہ کی شکل اختیار کر لی جو بہت سی نادر و کمیاب مخطوطات کا خزانہ ہے جو اہل تحقیق و تخصص کی مطلب براری کا بڑا منفعت بخش مرکز ہے۔ اس کا مختصر ذکر جناب ممتاز العلماء کے پر پوتے جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب کی زبان قلم سے ملاحظہ کریں:-

''۔۔۔۔۔۔۔۔عہد شاہی ختم ہوتے ہوتے لکھنؤ میں دو کتب خانے اور قائم ہو گئے۔ ایک کتب خانہ ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ کا اور دوسرا کتب خانہ حجۃ الاسلام مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ۔ صاحب **عبقات الانوار** کا اول الذکر میں فقہ اور تفسیر کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہے جو عراق و حجاز میں بھی نہیں ہے اور مصنفین کے اصل مخطوطات، سلاطین دنیا کے کتب خانوں کی کتابیں ہیں سونا چڑھے ہوئے مختلف الالوان چوتھی صدی کے قدیم نوشتے، آلات ریاضی اور کمیاب کتابوں میں **تفسیر ثعلبی** کا خرمہ کی روشنائی سے لکھا ہوا قدیم نسخہ جس کی قیمت ۱۹۱۹ء میں سیشن جج لکھنؤ نے ایک لاکھ روپیہ تجویز کی اور شہید اول علیہ الرحمہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا صحیفہ اور تفسیر **منبع عیون معانی** اور **فقہ رضوی** نسخۂ امامؑ سے مطابق، بکثرت کتابیں قابل ذکر ہیں جن کے تعارف میں ایک کتاب چاہیئے۔ اس لائبریری میں وہ کتاب بھی موجود ہے جو عراق سے روانگی کے وقت سمندر میں گر گئی تھی اور ساحل بمبئی میں شکم ماہی سے برآمد ہوئی۔ مکتبۂ ممتاز العلماء اور ضمیمۂ کتب خانہ میں ۴۲۴۱ کتب موجود ہیں چھپی ہوئی بہت تھوڑی ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اس کتب خانہ کو شہد کی مکھیوں نے بچایا۔ گورے سب سنگینیں لئے ہوئے جب داخل ہوئے تو چھتّہ مکھیوں کا ٹوٹ گیا۔ بطخین پلی ہوئی تھیں جن کو وہ لے گئے اور کتابیں محفوظ رہیں۔۔۔۔'' (صفحہ ۸۹ تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق ج ۱)

عزاداری کا حدود شرع میں فروغ غفرانمآبؒ اور آپ کی اولاد و تلامذہ رحمہم اللہ کا عمومی کارنامہ ہے۔ مگر اس میں بھی جناب ممتاز العلماء کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ آپ تعمیر کردہ امام باڑہ حسینۂ جناب غفراں مابؒ کے بعد خاندان اجتہاد کے عزا خانوں میں ممتاز ہے۔ یہاں کی مجالس عشرۂ

محرم خصوصاً نہم ماہ محرم کی مجلس کی ایک امتیازی شان رکھتی ہے عزاخانے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ اس عزاخانے کے لئے ایک وقف بھی قائم فرمایا۔ چند مکانات تعمیر کرا کے طلاب کے لیئے وقف کئے۔ کتب خانہ بھی وقف علی الاولاد ہے۔ اور اب اس کا اہتمام جناب ممتاز العلماء کے حفید نجم العلماء مولوی سید علی نقوی صاحب کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔

جد و آباء کی طرح اپنے زمانہ میں آپ ہی کو ریاست دینیہ حاصل تھی اور مومنین اپنے مسائل و مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے تھے آپ کے یہاں مسائل کا باقاعدہ دفتر تھا جس میں مسائل کی آمد و روانگی کا باقاعدہ اندراج ہوتا تھا۔

علّامہ لکھنوی طاب ثراہ کی ذات بھی کس قدر جامع الصفات اور آپ کا مزاج کس درجہ حکیمانہ تھا کہ خدمت حق و نصرت دین کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ اٹھا رکھا۔ اسی مجاہدے کا ایک قدم 'اخبار الاخیار'، مجلّے کا اجرا بھی تھا۔ اس کا ایک حصہ جامع المسائل کے نام سے تھا جس میں جناب ممتاز العلماء کے فتوے برابر شائع ہوتے تھے۔

اس تفصیل کا اجمال جمیل مفتی علامہ کی طبع موزوں نے یوں کیا ہے:

در ایّامِ ماہ محرم ازو
عجب مجلسی در عزائے امامؑ
ز اقطار عالم بہ او می رسید
مسائل، رسائل، حوائج، مہام
دریں عصر ہم می رسید ند ازو
مساکیں، یتامیٰ، اراملِ، بکام

ان مشغولیات کے ساتھ بہت سے دوسرے اوقاف جناب کے ذمے تھے اور وقت عزیز کا اچھا خاصہ حصہ ان کے اہتمام و انصرام میں صرف ہوتا تھا۔ پھر بھی نظام الاوقات کی زبردست پابندی کا یہ اثر تھا کہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لئے کافی وقت نکال لیا کرتے تھے او رمعقول مقدرا میں قابل قدر قلمی آثار آپ کے یادگار ہیں اور با کمال تلامذہ کی بڑی تعداد آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ کی خدمتوں کی جونشاں دہی صاحب تذکرۂ بے بہانے کی ہے وہ یہ ہے:

(۱) ارشاد المومنین۔　(۲) مرشد المومنین
(۳) عباب درنحو۔　(۴) شرح مقدمات حدائق
(۵) رسالہ امامت۔　(۶) نخبۃ الدعوات۔
(۷) حدیقۃ الواعظین (۸) نزہۃ الواعظین
(۹) لمعۃ الواعظین
(۱۰) رسالہ استدلالی در جواز پیشنمازی کسے کہ فی نفسہ فاسق وبزعم مومنین عادل باشد۔
(۱۱) درآداب وفضیلت دعا۔
(۱۲) شرح تبصرۂ علامہؒ
(۱۳) غنیۃ السائلین استدلالی فتاویٰ۔
(۱۴) جواب مسئلہ لدنیہ درنجاست طعام اہل کتاب۔
(۱۵) ینابیع الانوار فی تفسیر القرآن دو جلد ضخیم۔''

اب آپ ایک اہل سنت اہل علم ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کا بیان ملاحظہ کریں:

''۔۔۔۔۔ان کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔

انھوں نے اس شوق کے پیش نظر ایک بڑی عمارت تعمیر کرائی جس میں ایک مسجد اور ایک حسینیہ بھی بنوایا۔ یہ عمارت اور مسجد آج بھی موجود ہے۔مگر مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خراب حالت میں ہے۔ان کا ذاتی کتب خانہ بے شمار نادر علمی کتابوں سے بھرا ہوا ہے ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں **نخبة الدعوات**، (ادعیۂ ماثورہ) **العباب** (نحو) **کتاب الارشاد**، (جو لوگ دعا اور اس کے اثر سے انکار کرتے ہیں ان کے رد میں) **صدیقة الواعظین**، **نزهة الواعظین**، **لمعة الواعظین** (موعظت میں) **ینابیع الانوار** (تفسیر میں) خاصی مشہور ہیں اور ان کے مذہبی مرتبے کے علاوہ علمی مرتبہ کو بھی بلند کرتی ہیں۔۔۔۔۔اس تفسیر کے چار حصے ہیں جو شروع کے چار (۴) پاروں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصہ میں **سورۂ الحمد** اور **پارۂ الم** کی تفسیر ہے۔ ہر ہر آیت کی تفسیر مفصّل بیان کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں پارہ **سیقول** کی تفسیر ہے۔ اس میں بھی علمی نقطۂ نظر اور اہم باتوں کی مکمل توضیح ہے۔ تیسرا حصہ **تلک الرسل** کی تفسیر میں ہے اور چوتھا حصہ **لن تنالوا** کی۔ چاروں ہی حصے مفصّل اور مدلل طور پر آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح میں ہیں۔۔۔۔۔اپنے اندر اور علمی مباحث کے انداز سے یہ خاصی اہم تفسیر ہے۔ ہر ہر مسئلے کی پوری توضیح و تشریح ہے۔فنی باتوں کو اور لغوی باریکیوں پر بھی بحث کی ہے۔ دوسروں کے اقوال و روات سے بھی مدد لی ہے۔ مسائل کی بحثوں میں تفصیلات کو پوری طرح مدّ نظر رکھتے ہوئے بڑی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں اور اپنے شیعی نقطۂ نظر کو واضح طور پر ثابت کیا ہے مگر اس طرح نہیں کہ اہل سنت کو وہ باتیں ناگوار گذریں۔ الزام تراشی، بہتان بازی، اور فضولیات سے گریز کیا ہے۔ اس بات کی کوشش ہے کہ ہر پڑھنے والے کو نفع پہنچے اور سمجھ داران کے علمی انداز کو سراہے۔اس کو پڑھ کر مصنف کی اچھی ذہنیت اور اعلیٰ علمی ادبی لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔مسائل کی توضیح اس طرح کر دیتے ہیں کہ ہر قسم کی الجھن دور ہو جائے۔۔۔۔۔اس تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں 'اے شیعیانِ آلِ طٰہٰ و یٰسین مومن بھائیو! چونکہ قرآن مجید بہت ہی بلیغ طور پر عبرت و نصیحت ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے مطالب و معانی بیان کردوں۔اس کا نام "**ینابیع الانوار فی تفسیر کلام اللّٰہ الجبار**" ہے (ورق ۲) "**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**" کی تفسیر بہت اچھے انداز اور کافی تفصیل سے کی ہے۔۔۔۔۔اور اس سلسلے میں احادیث نبوی کے حوالے دیئے ہیں۔ **بسم اللّٰہ** کی تفسیر مکمل کرنے کے بعد **سورۂ الحمد** کی توضیح بھی مفصل کی ہے۔اس کی اہمیت و افضلیت اور اس کے متعدد ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اماموں کے اقوال و روایات کی یہاں بھی کثرت ہے۔۔۔۔۔اس تفسیر میں مصنف نے اپنے پیش رؤں کی کتابوں کو سامنے رکھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے سے قبل انھوں نے علوم قرآنی کے ساتھ ساتھ لغت اور معانی و بیان پر بھی اچھی نظر ڈال لی تھی جس کا ثبوت ان کے یہاں بہت سی جگہوں پر ملتا ہے۔ امام رازی، ابن حجر، قاضی عیاض، ابن جریر اور نیشاپوری وغیرہ کے حوالے بہ کثرت موجود ہیں۔۔۔۔۔مصنف نے پانچواں حصہ یعنی

سورۂ نساء کی تفسیر شروع کی تھی۔ چند آیتوں کی تفسیر لکھی تھی کہ ان کا انتقال ۱۲۸۹ھ میں ہوگیا۔ (ص/ ۳۲، ۱۲۸)

ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں

اس تفسیر کو پورا کرنے کی سعی آپ کے فرزند ارجمند جناب سید ابراہیم صاحب (متوفی ۱۳۰۷ ہجری نے کی مگر بہت تھوڑا اضافہ کرنے کا موقع مل سکا۔)

جناب ممتاز العلماء کی تدریسی خدمات مدرسہ سلطانیہ سے درس خارج تک ۳۰ سال کی طویل مدت پر محیط ہیں۔ کتنے طلاب آپ کے افادات سے فیض یاب ہوکر مدارج علم وکمال پر فائز ہوئے اس کا شمار دشوار کیا تقریباً محال ہے۔ لیکن جن سر برآوردہ تلامذہ کا نام صاحب تذکرۂ بے بہا، نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں:

جناب عماد العلماء سید مصطفی المدعو بمیر آغا صاحب، مولوی خواجہ عابد حسین صاحب، مولوی غلام محمد صاحب، خواجہ ابراہیم حسین صاحب پانی پتی، علّامہ کنتوری مولانا حکیم سید غلام حسنین صاحب، مولوی علی میاں صاحب کاملؔ، مولانا سید عمار علی صاحب سونی پتی، مفسر قرآن، مولوی ہزبر علی صاحب۔ مولوی سید محمد حسین صاحب فیض آبادی، مولوی سید حسن صاحب، نواب عالی جاہ لکھنوی، نواب والا جاہ لکھنوی، مولانا جسٹس کرامت حسین صاحب کنتوری، جناب منصف مولوی سید علی اکبر صاحب فرزند جناب سلطان العلماء، مولوی منیب خاں صاحب رام پوری اہلسنت، ان حضرات کے علاوہ جناب سید ابراہیم صاحب اور جناب تقدس مآب مولانا سید ابوالحسن صاحب آپ کے فرزند وخویش بھی خاص مستفیدین میں تھے۔ جناب عماد العلماء بھی آپ کے خویش ہوئے۔ ان سب حضرات کی جلالت علمی ایسی تھی کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے استاد کی ناموری کے لئے کافی ہوتا نہ کہ اتنے حضرات، اور معلوم نہیں کس نے کس کس صورت سے استفاضۂ علمی کیا ہوگا۔

لکھنؤ میں بیادگار حضرت غفران مآبؒ ایک انجمن 'دارالتبلیغ' کے نام سے تشکیل پائی تھی اس کی طرف سے علامہ ہندی اعلی اللہ مقامہٗ اور جناب سید علی اکبر صاحب نے علماء خاندان اجتہاد کے تذکروں کی طرف توجہ کی تھی مگر جناب ممتاز العلماء کا الگ سے کوئی تذکرہ میری نگاہ سے نہیں گذرا، ظن غالب ہے کہ ورثۃ الانبیاء کی جلد دوم میں جناب کے حالات ضرور ہوں گے مگر اس جلد کی نسبت بھی پتہ نہیں چلتا کہ شائع ہوسکی یا نہیں۔ جب جلد اول شائع ہوئی ہے اس وقت تک جلد دوم کی تصنیف نہیں ہوسکی تھی۔ مصنف مغفور مقدمۃ الکتاب میں رقمطراز ہیں کہ:-

امّا ایں جلد دوم نتوانستم کہ دریں عالم بنویسم"

لیکن جب فاضل نوگانوی نے "تذکرۂ بے بہا" کی تصنیف شروع کی ہے تو اس وقت دونوں جلدیں تصنیف ہوچکی تھیں اور مولانا نے اس سے حالات اخذ کئے ہیں۔ بہرحال یا تو یہ جلد شرمندۂ اشاعت نہیں ہوئی یا اب ناپید ہے۔ اس لیئے جناب کے مفصل حالات تک میری رسائی نہیں ہوسکی اور سیرت مقدسہ کے اکثر پہلو پردۂ خفا میں ہیں۔ مفتی علاّمہ نے آپ کے مرثیہ میں جو اشارات کئے

ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ جناب کی تندرستی اچھی نہیں رہتی تھی۔ غذا میں بھی بہت تقلیل سے کام لیتے تھے۔ ضعف جسمانی میں مبتلا تھے اور قامت مبارک خمیدہ ہوگئی تھی۔ اپنے انکسارِ مزاج و خوش خلقی کے باوصف امراء و اغنیاء کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور کسی کے ساتھ شرعی معاملات میں کسی طرح مداہنت و رعایت گوارہ نہیں دیتے تھے۔ آپ کی اسی صفت کے پیش نظر آپ کے عمِّ معظم و غالباً جناب سلطان العلماء نے فرمایا تھا کہ امر حق میں آپ حیدرؑ صفدر کی طرح ہیں۔ باوجود قدرت ضبط و صبر اس اس درجے کا تھا کہ جناب مفتی صاحب نے آپ کی زبان مبارک کو 'تیغ علی میان نیام' سے تشبیہ دی ہے۔ اب آپ اشعار ملاحظہ فرما کر مفتی علامہ کی قادرالکلامی اور لطف بیان سے لطف اندوز ہوں ؎

غذایش قلیل و عبادت کثیر
فنا در نظر در حضر انتظام
بظاہر ضعیف و بباطن قوی
عجب بین ضدّین بود التیام
قدش چوں کماں بود آہش چو تیر
سلاحش دعا در میانش حسام
ز یکتائی او دو تا کردہ پشت
بہ تعظیم او سرورانِ عظام
بہ آں مبینۂ سست کارش درست
بطبعش سلامت بجمش سقام
بہ آں خلق و آں انکسارے کہ داشت
نمی ساخت با اغنیائے فخام
مدارا نمی کرد در امر شرع
خشن بود در امر و نہی و کلام
چہ خوش گفت عمش کہ در حق تلخ
تو ہستی چو حیدر علیہ السلام
زباں در دہانش بہ ہنگام صبر
چو تیغ علی درمیان نیام

دربار اودھ میں آپ کے خاندان کے اقتدار کا حال تو معلوم ہی ہے۔ برطانوی اقتدار میں بھی آپ کی منزلت و اعزاز کا پاس و لحاظ رکھا گیا۔ دربار میں آپ کی کرسی معین تھی اور حاضری عدالت سے بھی مستثنیٰ تھے۔

آپ کی جناب سلطان العلماء سے شکر رنجی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف صاحب "نقد تجلیات" نے بھی اشارہ کیا ہے، شیخ تصدق حسین صاحب مرحوم نے کس قدر وضاحت سے کام لیا ہے لکھتے ہیں کہ:-

"بعد غدر سید العلماء مولانا مولوی سید حسین صاحب مجتہد کے بیٹے یعنی سلطان العلماء کے بھتیجے ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے بعض خاندانی مصلحتوں کو مدِّ نظر رکھ کر اپنے مکان باغ واقع پشت مسجد تحسین علی خاں میں جامع مسجد کے وقت سے قبل نماز جمعہ پڑھادی چونکہ شیعی نقطۂ نظر سے ایک شہر میں جمعہ کی دو نمازیں نہیں ہوسکتیں اس بنا پر سلطان العلماء نے جامع مسجد کی نماز جمعہ ملتوی کردی"۔

(الواعظ، جولائی، ۱۹۴۷ء، ص ۲۱)

بہرحال شکر رنجی یا خاندانی مصلحت، جو بھی تھی وہ ایسی تھی کہ جس میں احکام شرعیہ کے استنباط کا سوال تھا۔ جناب

ممتاز العلماء نے بعض علماء کا نام بطور حکم یا ثالث تجویز فرمایا۔ سلطان العلماء نے ارشاد فرمایا کہ:-

''یہ سب بچے ہیں اور ان میں بات سمجھنے کی بھی استعداد نہیں ہے۔ شیخ مرتضیٰ نجفی طاب ثراہ ہوتے تو ان سے علمی تبادلہ میں کوئی باک نہ تھا۔''

بہرکیف اب یہ سوال ایسا نہیں ہے کہ جس کی جستجو میں وقت وقوت صرف کی جائے وہ دونوں حضرات مجتہد تھے اور اپنی رائے پر اصرار میں حق بجانب تھے۔

زیادہ تفصیل تو معلوم نہیں ہوسکی لیکن تجلیات، سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شادی نصیر آباد جائس میں ہوئی۔ اس موقع پر جناب مفتی علامہ نے ایک طویل مثنوی نظم کی تھی دو مصرعوں سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ صاحب تجلیات نے وہی دو مصرعے نقل کئے ہیں جو آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش ہیں:-

شدہ ببرج دیں قرآن نیرین
۱۲۵۱ھ
رسیدہ تازگی بگلشن حسینؑ
۱۲۵۱ھ

اس تقریب کے سلسلے میں جناب سید العلماء کا قیام اپنے وطن مالوف میں کچھ دنوں تک رہا۔ جب لکھنؤ مراجعت فرمائی تو مفتی علامہ نے ایک استقبالیہ نظم پیش کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زمانۂ عیدالاضحیٰ وعید غدیر کے درمیان کا تھا۔ اس شادی کے علاوہ متعدد عقد فرمائے، ان میں کچھ کنیزیں بھی تھیں جن کو آزاد کر کے عقد منقطع کیا تھا۔ اس لئے جناب کثیر الاولاد تھے مگر مجھے دو ہی صاحبزادوں اور دو ہی صاحبزادیوں کا پتہ چل سکا ہے فرزند اکبر شمس العلماء وسلطان العلماء و سید العلماء جناب سید محمد ابراہیم صاحب (متوفی ۱۳۰۷ ہجری) مجتہد جو جناب کے جانشین وقائم مقام ہوئے دوسرے فرزند جناب مولوی سید حسین صاحب تھے آپ کو اجازہ پیش نمازی تھا۔ صاحبزادیوں میں ایک جناب عماد العلماء میر آغا صاحب متوفی ۱۳۲۳ھ سے منسوب ہوئیں مرحومہ اگر چہ لاولد فوت ہوئیں، پھر بھی آج لکھنؤ کی امامت جمعہ وجماعت اور قیادت ملّی وریاست دینی جناب میر آغا صاحب طاب ثراہ کی اولاد امجاد میں صفوۃ العلماء آقائے شریعت مولانا الحاج جناب کلب عابد صاحب قبلہ اس منصب بزرگ کی ذمہ داریاں بجالاتے ہیں۔ آپ کے جدامجد جناب مولانا سید آقا حسن صاحب قدوۃ العلماء جناب میر آغا صاحب طاب ثراہ کے بھانجے اور داماد تھے اور یہ اعزاز مسلسل آپ کی نسل میں چلا آرہا ہے۔ دوسری صاحبزادی قدسی مآب جناب مولانا آقا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ طاب ثراہ ومتوفی ۱۳۱۳ھ کو منسوب تھیں مدرسۂ سلطانیہ کی مسند تدریس بلافصل آپ کی نسل میں ہے۔ موجودہ پرنسپل جامعہ سلطانیہ جناب مولانا سید علی صاحب قبلہ آپ کے پوتے اور ہیڈ ماسٹر سلطان المدارس مولانا الحاج سید محمد صالح صاحب قبلہ آپ کے پرپوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں جناب کی تندرستی اچھی نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عمر نے بھی پوری طرح وفا نہ کی۔ ۵۵ سال

(بقیہ............صفحہ ۶۸ پر)

ارشد واکمل اولاد جناب مرحوم تھے اور تخمیناً چھ سال کربلائے معلیٰ ونجف اشرف میں تحصیل وتکمیل فرما کر باخذ اجازات بمعیت احقر العباد ماہ جنوری ۱۹۱۶ء میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ چونکہ زمانہ جنگ عالم سوز تھا، ہم سب کل اسباب عراق میں چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور بکمال محبت ومحنت وارد لکھنؤ ہوئے۔اسی وجہ سے ان مرحوم کے اجازات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نجف اشرف میں چھوٹ گئے لیکن افسوس عین شباب میں طول مرض بلحوق اسہال سے چہل سالہ عمر میں بتاریخ اٹھائیس ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ روز دوشنبہ ایک فرزند کمسن چھوڑ کر انتقال کیا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَنْہُ وَاحْشُرْہُ مَعَ الْاَئِمَّۃِ الطَّاھِرِیْنَ۔ قبر مرحوم زیر منبر امامباڑہ حضرت جد علام غفران مآبؒ میں موجود ہے۔

۲۔ سعید ازلی مولوی سید علی سلمہُ اللہ القوی

۳۔ سعید ازلی مولوی سید عابد علی سلمہُ اللہ القوی کہ جو مشغول تحصیل علم ہیں اَللّٰھُمَّ انْفَعْ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ۔

وفات حسرت آیات

بتاریخ ۱رصفر المظفر ۱۳۰۹ھ بلحوق مرض ہیضہ وفات ہوئی اور جمیعت کثیر مومنین وعلماء نے مشایعت جنازہ کی۔آپ کے برادر عالی قدر اور حضرت بحر العلوم عم معظم جناب مولانا سید محمد حسین المعروف بجناب علن صاحب طاب ثراہ نے نماز جنازہ پڑھا کر امام باڑہ حضرت غفرانمآب رحمہ اللہ میں دفن کیا۔روز سوم خاندانی علماء اعلام نے خطاب ان جناب کا رضوان مکان قرار دیا۔

اَنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔



(بقیہ............مدرسہ سلطانیہ کے منتظم ومدرس اعلیٰ)

کی عمر میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔ ۲۳؍رمضان ۱۲۸۹ھ میں صبح ۱۰ بجے تک اپنی مصنفہ تفسیر کے مقابلہ میں مشغول رہے۔معلوم نہیں کس وقت ہیضے میں مبتلا ہوئے اور اسی شب کی سحر میں ۳ بجے انتقال فرمایا۔ ۲۴؍رمضان کو جنازہ اٹھایا۔دریائے گومتی پر غسل کے لئے لے چلے۔مشایعت جنازہ میں وہ جم غفیر تھا کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ یا عالم کے جنازہ میں نہیں دیکھا گیا۔

مفتی صاحب مرحوم فرماتے ہیں:-

ولے نعش اورا چو برداشتند　　عیاں شد عجب کثرتِ اژدہام

گول دروازے سے متصل میدان میں آپ کے فرزند جناب سید ابراہیم صاحب نے نماز میت پڑھائی اور مرحوم کے ہی عزاخانہ میں سپرد خاک کیا۔تاریخیں اور مرثیے بڑی تعداد میں نظم کئے گئے ہیں یہاں اسمٰعیل (حسین منیرؔ) شکوہ آبادی کی تاریخ پیش کرتا ہوں:-

افتادہ ستون کعبہ فقہ

۱۲۸۹ھ

